© rasailojaraid.com

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور مولانا فراہیؒ کے مناہج تفسیر کا ایک تقابلی مطالعہ

اشہد رفیق ندوی

علامہ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ ھ) کو بجا طور پر جامع کمالات کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، فقہ و حدیث، منطق و فلسفہ، عقائد و علم کلام ان کی علمی جولانی کے خصوصی میدان تھے، اسی وجہ سے ان کے سوانح نگاروں نے انہی پہلوؤں کو زیادہ نمایاں طور سے پیش کیا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ تفسیر ان کے فکر و تصنیف کا خاص موضوع تھا۔ یہ ذوق ان پر اس قدر غالب تھا کہ شاید ہی ان کی کوئی تصنیف ایسی ہو جس میں تفسیر قرآن کا وافر مواد موجود نہ ہو، آیاتِ قرآنی سے استدلال ان کے طرز تحریر کی بنیادی خصوصیت تھی اگرچہ انہوں نے قرآن کی مکمل تفسیر نہیں لکھی[1]، تاہم متعدد سورتوں کی مکمل تفسیر بیان کی، سیکڑوں مشکل آیات کی توضیح کی، علم قرآن کے بعض پیچیدہ مسائل حل کئے اور سب سے بڑھ کر "مقدمۃ فی اصول التفسیر" لکھ کر فن اصول تفسیر کی بنیاد ڈالی جو بجائے خود نہایت عظیم و قابل فخر کارنامہ ہے۔

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ (متوفی ۱۳۴۹ ھ) کو بھی حدیث و فقہ، عقائد و علم کلام منطق و فلسفہ اور ادب و بلاغت ہر فن میں عبور حاصل تھا، لیکن اہل علم کے درمیان عام طور سے وہ ایک بلند پایہ مفسر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ اگرچہ مولانا فراہیؒ قرآن مجید کی پوری تفسیر تو نہیں لکھ سکے البتہ کچھ سورتوں کی تفسیر انہوں نے مکمل کرلی تھی، ان تفسیری اجزاء کی روشنی میں ان کے تفسیری منہج کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اپنے تفسیری موقف کی وضاحت کے لئے مقدمہ تفسیر نظام القرآن، التکمیل فی اصول التاویل، دلائل النظام، امعان فی اقسام القرآن، جمہرۃ البلاغۃ اور مفردات القرآن کے نام سے چھ الگ الگ رسالے تصنیف فرمائے جو اپنی اہمیت افادیت اور انفرادیت کی بنا پر علماء و محققین کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں نیز اصول فقہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصول حدیث، عقائد، ادب، بلاغت صرف و نحو اور دوسرے بہت سے مختلف موضوعات پر گرانقدر علمی و فکری سرمایہ یادگار چھوڑا ہے جس سے مولانا کی عبقریت و جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور مولانا فراہیؒ کے درمیان اگرچہ روایات و آثار سے اخذ و استفادہ کے سلسلہ میں کسی قدر اختلاف ہے، لیکن بہت سے دوسرے اختلافی مسائل میں دونوں کی رائیں ایک ہیں نیز ان کے ذوق و مزاج اور انداز غور و فکر میں بھی بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے پیش نظر مضمون میں انہی دونوں ائمہ تفسیر کے مناہج تفسیر اور بعض تفسیری آراء کا موازنہ کیا گیا ہے تاکہ ان کے درمیان اتفاق و اختلاف کے حدود معلوم کئے جا سکیں، اور کسی حد تک اس بات کا بھی اندازہ لگایا جا سکے کہ ابن تیمیہؒ سے عہد حاضر تک فن اصول تفسیر کن ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔

ابن تیمیہؒ کا طریقۂ تفسیر:

علامہ ابن تیمیہؒ نے تفسیر کے اسی طریقہ کو اپنایا ہے جو صحیح معنوں میں رسولؐ اور ان کے اصحابؓ کا طریقہ رہا ہے اور جس پر سلف صالحین سختی سے کاربند رہے ہیں، ان کے نزدیک تفسیر قرآن کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے، اگر کسی موقع پر قرآن سے نہ مدد مل سکے تو ذخیرہ احادیث کی جانب مراجعت کی جائے، یہاں سے بھی رہنمائی نہ مل پائے تو صحابہ کرامؓ کے اقوال و آثار سے استفادہ کرنا چاہئے، آخری درجہ تابعین عظام کے اقوال کا ہے، اگر ہر جگہ سے محرومی ہو تو ایسی صورت میں تابعینؒ کے اقوال و آراء سے فہم قرآن میں مدد لینی چاہئے۔ ابن تیمیہؒ کے نزدیک تفسیر قرآن کے یہی چار بنیادی ماخذ ہیں جنہیں درج ذیل سطروں میں قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔[۲]

۱۔ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے:

قرآن مجید کا اپنا ایک اسلوب ہے۔ اس میں کہیں اجمال ہے تو کہیں تفصیل، کہیں ایجاز ہے اور کہیں اطناب، اطلاق و تقیید، عموم و خصوص، نفی و اثبات ہر طرح کا اسلوب بیان شامل ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک جگہ صرف کسی واقعے کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیلات موجود ہوتی ہیں، کسی جگہ صرف دعویٰ کا ذکر ہوتا ہے تو کہیں دعویٰ کے ساتھ دلائل بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی بات کو قرآن نے اپنے لفظوں میں "کتابا متشابھا" سے تعبیر کیا ہے اور یہی وجہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضا" سلف کا پسندیدہ مسلک رہا ہے، چنانچہ انہوں نے تفسیر قرآن کے لئے خود قرآن کو ہمیشہ اولیت دی ہے۔[۳]

۲۔ تفسیر قرآن سنت نبوی سے :

قرآن کے بعد سب سے اشرف، پاکیزہ اور لائق اعتبار ماخذ احادیث نبویہ ہیں، اسی وجہ سے اسلاف کا یہ متفقہ فیصلہ رہا ہے کہ اگر قرآن کی تفسیر کے لئے خود قرآن سے رہنمائی نہ مل سکے تو سنت نبوی میں اس کی تفسیر تلاش کرنا چاہئے کیونکہ آپ ؐ قرآن کی عملی تصویر تھے، آپ نے اپنے اقوال و اعمال اور تقاریر کے ذریعہ پورے قرآن کی توضیح و تفسیر فرمادی ہے۔[۴] آپ ؐ کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی قرآن کی تبیین و تفسیر تھا۔ اس لئے قرآن کی سب سے بہتر تفسیر وہی ہو سکتی ہے جو آپ کے قول و عمل سے ثابت ہو، علامہ ابن تیمیہؒ نے رسالہ "مقدمہ فی اصول التفسیر"[۵] اور دیگر تصانیف میں تمسک بالحدیث پر بہت زور دیا ہے ان کے نزدیک ایسی تفسیر کرنا جو قرآن و سنت یا اقوال صحابہ و تابعین سے مستفاد نہ ہو بالکل حرام ہے۔[۶]

۳۔ تفسیر قرآن اقوال صحابہؓ سے :

تفسیر قرآن کا تیسرا ماخذ صحابہ کرامؓ کے اقوال و آثار ہیں کیونکہ اس لئے کہ صحابہ کرام سب سے زیادہ قرآن کو جاننے اور سمجھنے والے تھے، انھوں نے بارگاہ رسالت سے براہ راست کسب فیض کیا تھا، زبان ماحول اور ماقبل کی تاریخ سے وہ بخوبی واقف تھے، قرآن و سنت کا ان سے بڑا رمز شناس کوئی اور نہ تھا اس لئے آثار صحابہ کی موجودگی میں تفسیر قرآن کے لئے اپنی عقل و دانش کا استعمال بھی ابن تیمیہؒ کے نزدیک جرم غلط ہے۔[۷]

۴۔ تفسیر قرآن تابعینؒ کے اقوال سے :

تابعین کے اقوال سے تفسیر قرآن کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ صحابہ نے علم قرآن رسول کریم ؐ سے اور تابعین نے صحابہ کرام سے سیکھا۔ لہٰذا ان کی تفسیر مضبوط اور معتبر سندوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہے، تفسیر قرآن سے متعلق ان کے اقوال و اخبار بالواسطہ نبی اکرم ؐ سے مستفاد ہیں اور ان کے ذاتی خیالات و افکار نہیں ہے۔ اس لئے تابعین کے متفقہ اقوال کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ ان میں باہم اختلاف کی صورت میں قول اصوب کی تعیین کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن و حدیث کے انداز زبان و بیان، عربوں کے عام استعمال لغت اور صحابہ کے قول کا سہارا لیا جائے گا۔[۸]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے جن آیات و سور کی تفسیر لکھی ہے اس میں انہی اصول و ماخذ کو پیش نظر رکھا ہے اور امت کو اسی پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ ان کے لائق شاگرد حافظ ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) نے انہی اصول کی بنیاد پر تفسیر لکھی جسے اہل علم کے درمیان بڑی مقبولیت حاصل ہے۔

مولانا فراہیؒ کا طریقہ تفسیر:

مولانا فراہیؒ کا طریقہ تفسیر شیخ الاسلامؒ کے طریقہ سے قدرے مختلف ہے، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر بالماثور کے سلسلے میں مولانا فراہیؒ کا نقطۂ نظر ان کے اس قول سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ

"قرآن کی تفسیر کے لئے خود قرآن سے بہتر کوئی مرجع نہیں، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے۔ اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ وہی تفسیر پسند ہے جو پیغمبر اور صحابہؓ سے منقول ہو۔"[۹] لیکن مولانا فراہیؒ نے اپنی تفسیر کی بنیاد نہ تو روایات پر رکھی ہے اور نہ وہ ابن تیمیہؒ کی طرح روایات کو بطور اصل پیش کرتے ہیں، انہوں نے تفسیری ماخذ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ایک کو "اصل" اور دوسرے کو "فرع" سے تعبیر کرتے ہیں ان کے نزدیک اول الذکر کی حیثیت قطعی کی ہے جبکہ آخر الذکر کو وہ "ظنی الدلالۃ" تصور کرتے ہیں[۱۰]

اصل سے مراد قرآن مجید ہے جس میں قرآن کے الفاظ، اسالیب اور نظم کلام سب شامل ہیں فروعی ماخذ میں مولانا فراہی روایات، قوموں کے ثابت شدہ و متفقہ حالات اور گزشتہ انبیاء کے صحیفے جو محفوظ ہیں تین چیزیں شامل کرتے ہیں، ان ماخذ کو ظنی الدلالۃ[۱۱] قرار دینے کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ "اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن و شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجے میں نہ رکھتے، بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے"[۱۲] لیکن ان میں ظن کے دخیل ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پھر مولانا فراہیؒ نے سب کے الگ الگ مراتب بیان کئے ہیں۔

روایات کے باب میں مولانا فراہیؒ کا موقف:

روایات کے سلسلے میں مولانا فراہیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے احادیث نبویہ سے مدد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لینا بے حد ضروری ہے کیونکہ آپ شارحِ قرآن اور قرآن کی تبیین و تشریح فرائض نبوت میں شامل ہے[۱۳] لیکن قرآن کی تفسیر کے لئے خود قرآن پر اس کے نظم و اسالیب کی روشنی میں غور و فکر کرنے کے بعد احادیث و اخبار کی جانب رجوع کرنا چاہیے[۱۴] کیونکہ قرآن کی قطعیت اور صحت و ثقاہت سب کچھ مسلم ہے اور احادیث کا درجہ اس کے بعد ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ روایات کی کسوٹی پر قرآن کو پرکھا جائے اور قرآنی آیات کو کھینچ تان کر روایات کے مطابق بنایا جائے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں احادیث و آثار کو جانچا جائے، اگر دونوں کے درمیان تصادم ہو اور تاویل کی کوئی صورت نہ بن پڑے تو قرآن کے مفہوم کو ترجیح دی جائے اور روایات کے سلسلہ میں توقف اختیار کیا جائے[۱۵]۔ جن مفسرین نے محض ماثورات کی بنیاد پر تفسیریں لکھی ہیں بعض مواقع پر انھیں سخت زحمت پیش آئی ہے اس کی ایک مثال سورہ الحج کی یہ آیت ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ	اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول اور نبی بھی بھیجا تو
وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	جب بھی اس نے کوئی ارمان کیا تو شیطان نے
فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ	اس کی راہ میں اڑنگے ڈالے، پس اللہ مٹا دیتا
ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	ہے شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو پھر اپنی
(سورہ حج: ۵۲)	آیات کو قرار بخشتا ہے۔

روایتوں میں اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! قرآن میں کوئی ایسی بات نازل ہو جائے جس سے اسلام کے خلاف کفار قریش کی نفرت ختم ہو جائے، یہ تمنا آپ کے دل ہی میں تھی کہ ایک روز آپ اعیان قریش کے درمیان تشریف فرما تھے اور سورہ نجم نازل ہوگئی، آپ نے تلاوت شروع کی جب اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پر پہونچے تو یکایک یہ الفاظ آپؐ کی زبان سے ادا ہو گئے "تلك الغرانقة العلی وان شفاعتهن لترتجی"، اس کے بعد سورہ نجم کی بقیہ آیات پڑھتے چلے گئے، اختتام سورہ پر آپ نے سجدہ کیا تو مشرکین بھی سجدے میں گر گئے پھر انھوں نے کہا "اب ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہیں رہا، حضرت جبریلؑ شام کو آئے اور کہا "یہ دو فقرے تو میں نہیں لایا تھا" اس پر آپ کافی مغموم اور رنجیدہ ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

بیشتر مفسرین نے اس قصہ کو صحیح مان کر اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے اور آیت و روایت میں تطبیق کے لئے "اِذَا تَمَنّٰی" کو "اذا قرأ" کے معنی میں لیا ہے[16]، جبکہ یہاں اس غیر معروف معنی کو مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ "تمنی" کے معروف معنی "خواہش کرنا، ارمان کرنا، حوصلہ کرنا یا کسی مقصد کے لئے اپیل یا استمالت کرنا" سے آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے تو یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ روایت سند و متن ہر دو اعتبار سے ساقط الاعتبار[17] اور نصوص قرآنی و مزاج نبوی کے منافی ہے۔

نظم کلام:

مولانا فراہیؒ کے نزدیک نظم قرآن فہم قرآن کی بنیادی کلید ہے، نظم اور سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے قرآن کی صحیح تفسیر و تاویل کر لینا مشکل ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنی تفسیر میں سب سے زیادہ اہمیت "نظم" کو دی ہے۔ مولانا فراہیؒ کے خیال میں تفسیر و تاویل کا بیشتر اختلاف اسی بات کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے آیات و سور کے نظم کا کماحقہ لحاظ نہیں رکھا، اگر نظم کلام اور سورہ کا عمود (مرکزی مضمون) واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف رونما نہ ہوتا۔ سب ایک ہی جھنڈے تلے جمع ہوتے اور سب کے منھ کی ایک ہی آواز ہوتی"۔[18]

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ	ایک بار آور درخت کے مانند جس کی جڑ زمین
وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ○	کے اندر دھنسی ہو اور جس کی شاخیں فضا میں
(ابراہیم: ۲۴)	پھیلی ہوں۔

چنانچہ انہوں نے مقدمہ تفسیر نظام القرآن کی ابتدائی سطروں میں ہی اپنے موقف کی وضاحت ان الفاظ میں کر دی ہے "اللہ کی توفیق و عنایت سے میں نے اپنی تفسیر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ آیات قرآن کے باہمی تعلق کو واضح کروں اور قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھوں جو ان تمام اختلافات سے بالکل پاک ہو جو ہمارے اندر عہد نبوت کے بعد پیدا ہو گئے ہیں۔ میں نے ہر آیت کا مفہوم اس کے مشابہ دوسری آیات کی روشنی میں متعین کیا ہے اور ہر سورہ کے نظام کو اس کی تہ میں اتر کر اور اس کے سیاق کو سمجھ کر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر اس جد و جہد سے جو کچھ سمجھ میں آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس کو نقل و عقل سے مدلل کیا ہے[۱۹]۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے نزدیک نظم کا اس معنی میں کوئی تصور نہیں ہے۔

لغت و اسالیب:

دوسری چیز جسے مولانا فراہیؒ زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ عربی زبان و ادب سے واقفیت اور اس سے استفادہ ہے۔ عربی لغت و اسالیب سے واقفیت و استفادہ پر زیادہ زور اس وجہ سے دیتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ و اسالیب بعینہٖ آج بھی وہی ہیں جن پر وہ نازل ہوا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید کا نزول عرب کی اس ٹکسالی زبان میں ہوا ہے جو نزول قرآن کے وقت عرب میں جاری و ساری تھی۔ اس لئے قرآن کے اسالیب، اس کے اشارات و تلمیحات اور تعریضات و کنایات کو سمجھنے میں صرف عربی زبان ہی معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ عرب کے معروف و منکر، ان کی معاشرتی زندگی کی خصوصیات، ان کی سوسائٹی میں خیر و شر کے معیارات، ان کے سماجی تمدنی اور سیاسی نظریات، روزمرہ کی زندگی میں ان کی دلچسپیاں اور مشاغل، ان کے مذہبی رسومات و معتقدات غرض ان کی ساری چیزوں کو سمجھنے میں عربی زبان سے زیادہ صحیح اور مستند ماخذ کوئی اور نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے کلام عرب سے استشہاد اور حضرت عمر فاروقؓ کے تاریخی جملہ "الشعر دیوان العرب" سے بھی اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ انہی اسباب کی بنا پر مولانا فراہیؒ کلام عرب کو ہمیشہ بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل دوسرے دلائل ان کے نزدیک مرجوح قرار پاتے ہیں[۲۰]۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مولانا فراہیؒ نے تفسیر و تاویل کے اصولوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ بنیادی اصول:۔ جن میں آیات کی دیگر مماثل آیات کی روشنی میں تشریح، نظم کلام اور سیاق و سباق کی رعایت، مخاطب کی صحیح تعیین اور شاذ و نادر معانی کو ترک کرنا شامل ہے[۲۱]۔

۲۔ ترجیحی اصول:۔ جب مختلف معانی کا احتمال ہو تو ان میں کسی کو ترجیح دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے اصول ترجیح کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ احتمال کی صورت میں ان کے نزدیک وہی معانی قابل ترجیح ہوتے ہیں، جو نصوص قرآنی، سیاق کلام، عمود سورہ، اسلوب قرآن،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزاج نبوت وشریعت اور عربی لغت واسالیب سے زیادہ مطابقت رکھتے ہوں[۲۲]

۲۔ باطل اصول:۔ ان میں وہ تمام اصول وضوابط شامل ہیں جو قرآن وسنت کی روح کے منافی ہوں۔ جیسے نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں عقل ودانش کا استعمال اور روایات وآثار کو اصل قرار دیکر قرآن کریم کو ان کے مطابق بنانا وغیرہ[۲۳]

اہل کتاب سے اخذ واستفادہ:

تفسیر قرآن میں اہل کتاب سے اخذ واستفادہ کا مسئلہ بڑا نازک ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں کتب سابقہ سے اخذ واستفادہ ناگزیر ہے، بالخصوص انبیاء کرام کے احوال وقصص کے سلسلہ میں قرآن نے صرف بنیادی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جزئیات سے تعرض نہیں کیا ہے انہیں معلوم کرنے کے لئے کتب سابقہ سے بہت کچھ مدد لی جاسکتی ہے۔ اسی وجہ سے عہد نبوی میں یہ عمل جاری ہوگیا تھا صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے بھی ان سے بہت کچھ استفادہ کیا۔[۲۴] لیکن بعد کے ادوار میں اسرائیلی روایات سے شغف اتنا بڑھ گیا کہ صحیح وسقیم کی تمیز کئے بغیر تمام ہفوات وخرافات بھی کتب تفسیر میں شامل کر لیے گئے۔ کسی بھی تفسیر میں قصہ داؤدؑ وسلیمانؑ، واقعہ اصحاب کہف اور داستان یوسفؑ وعزیز مصر کو دیکھا جاسکتا ہے۔ روایات کی اتنی کثرت ہے کہ قاری کا کسی نتیجہ پر پہونچنا مشکل ہے، جبکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان میں صحیح روایات کا حصہ بہت کم ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور مولانا فراہیؒ دونوں کا موقف اس سلسلہ میں بہت مناسب ومتوازن ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں تمام اسرائیلی روایات کا استقصار کرکے ان کا بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہئے۔ اگر یہ روایات قرآن وسنت کے مطابق ہوں تو انہیں بلا چوں وچرا تسلیم کرلینا چاہئے اس لئے یہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (بقرہ: ۹۷، آل عمران: ۳، مائدہ: ۴۸، فاطر: ۳۱) (مصدق اس کی جو اس کے آگے سے موجود ہے) کی صحیح مصداق ہیں اور اگر قرآن وسنت سے متصادم ہوں تو ان کے ابطال وتردید میں بھی دریغ نہ کرنا چاہیے کیونکہ "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ" (مائدہ: ۱۳) (وہ کلام کو اس کے موقع محل سے ہٹاتے ہیں اور جس چیز کے ذریعہ ان کو یاد دہانی کی گئی تھی اس کا ایک حصہ وہ بھلا بیٹھے ہیں) کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصداق بھی اہل کتاب ہی ہیں، لیکن صحیح و سقیم کے درمیان تمیز نہ ہونے کی صورت میں توقف بہتر ہے[۲۵]
جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لاتصدقوا اھل الکتاب ولا	تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تردید
تکذبوھم وقولوا آمنا باللہ	بس یہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس نے ہماری جانب
وما اُنزل الینا۔[۲۶]	جو کچھ نازل کیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ان ائمہ تفسیر نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ایسی روایات سے استفادہ صرف بوقت ضرورت ہونا چاہیے، ان جزئیات میں الجھنا کہ عصاء موسی کس لکڑی کا تھا، اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیسا تھا، ابراہیمؑ نے جن چڑیوں کو زندہ کیا تھا وہ کون سی چڑیاں تھیں، تحصیل لاحاصل ہے۔[۲۷]

کتب سابقہ سے اخذ و استفادہ کے سلسلے میں ان حضرات کا یہ موقف نصوص قرآنی، احادیث نبویہ اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ تفسیر کے عین مطابق ہے، ایسا معتدل مسلک شاید ہی کسی مفسر نے اختیار کیا ہو، متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تو توریت میں تحریف لفظی کے قائل ہی نہیں ہیں۔[۲۸]

استاذ امام فراہیؒ نے اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ ہمیں صرف متعلقہ روایات کے بجائے براہ راست ان صحیفوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگرچہ وہ اپنی اصلیت بہت کچھ کھو چکے ہیں تاہم اس کا مطالعہ گوناگوں اعتبار سے سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ان صحیفوں کے مقابلہ میں قرآنی تعلیم کی فضیلت واضح ہو گی، اپنی کتابوں سے اہل کتاب نے جو کچھ مٹا دیا یا بھلا دیا ہے قرآن کی رہنمائی میں اس کا اعادہ ہو گا، اہل کتاب نے جہاں جہاں تحریف کی ہے اس کا بھی انکشاف ہو گا۔[۲۹]

تفسیر بالرائے:

تفسیر بالرای کے سلسلہ میں قدماء کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ ایسی تفسیر کو جو روایات و آثار سے ماخوذ و مستفاد نہ ہو مطلق حرام قرار دیتا ہے جبکہ دوسرا گروہ ہر کس و ناکس کو بلا کسی قید و شرط کے تفسیر کرنے کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دیتا ہے[۳۰]۔ ظاہر ہے کہ ان میں ہر دو گروہ افراط و تفریط کی دو الگ الگ انتہاؤں پر ہے۔ تفسیر کے دائرہ کو محض منقولات تک محدود کر دینا غالباً مناسب نہ ہو گا کیونکہ ذخیرہ احادیث میں تفسیر سے متعلق جو مواد موجود ہے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طالب قرآن کی تشنگی دور کرنے کے لئے کافی نہیں، اس کے علاوہ قرآن میں تدبر و تفکر کے لیے خود قرآن نے بار بار دعوت دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "لا تنقضی عجائبہ"[۳۱] میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن میں غور و فکر کا کام کبھی بند نہیں ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور اسلاف نے ہمیشہ شریعت کے دائرہ میں قرآن پر تدبر و تفکر کر کے نئے نئے نکات پیدا کئے ہیں۔ اس لئے تفسیر بالرای کو مطلق حرام قرار دینا غالباً مناسب نہ ہوگا۔ اسی طرح ہر کسی کو بلا قید و شرط تفسیر قرآن کا حق تفویض کر دینا بھی احتیاط سے بعید ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بارے میں زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ وہ تفسیر بالرای کو مطلق حرام قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابن تیمیہؒ کے مشہور سوانح نگار پروفیسر ابوزہرہ نے لکھا ہے کہ "وہ تفسیر بالماثور کے سوا کچھ قبول نہیں کرتے۔ رسولؐ، صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین ہی امام صاحب کے تفسیری ماخذ تھے اور بس، تفسیر بالرای کے بارے میں ان کا یہ اعلان تھا کہ "مجرد رائے کے ذریعہ قرآن کی تفسیر کرنا حرام ہے"[۳۲]۔ لیکن ابن تیمیہؒ کے بارے میں یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ابن تیمیہؒ نے افراط و تفریط کے درمیان ایک معتدل راہ پیدا کی ہے، وہ ایسی تفسیر کو ضرور حرام کہتے ہیں جو محض ظن و تخمین کی بنیاد پر کی گئی ہو، لیکن اگر کوئی شخص قرآن و سنت، روایات و آثار، لغت و اسالیب، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور تمام ضروری معلومات کی روشنی میں تفسیر کرتا ہے تو وہ اسے عین واجب و مطلوب قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے "مقدمہ فی اصول التفسیر" میں اقوال سلف کی روشنی میں تفسیر بالماثور کی اہمیت بیان کرنے کے بعد یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ "یہ اور ایسے ہی آثار صحیحہ کا مطلب یہ ہے کہ سلف صالحین بغیر علم کے تفسیر میں دخل نہیں دیتے تھے۔ لیکن جس شخص کو لغت و شرع کے اعتبار سے علم حاصل ہو اس کے لئے تفسیر کرنے میں مضائقہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ انہی سلف سے تفسیریں بھی روایت ہوئی ہیں۔ اور دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں، وہ بولتے تھے جب جانتے تھے اور جس کا علم نہیں ہوتا تھا اس پر سکوت اختیار کر لیتے تھے اور یہی سب پر واجب ہے لیکن جس طرح لاعلمی کی حالت میں سکوت واجب ہے اسی طرح واقفیت کی صورت میں بتانا بھی واجب ہے"[۳۳]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیر بالرای کے سلسلہ میں مولانا فراہیؒ بھی ابن تیمیہؒ کے ساتھ ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ اخبار و آثار کو تفسیر قرآن کا بنیادی ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے یہاں سے رہنمائی نہ ملنے کی صورت میں دیگر ثانوی وسائل اور عقل و دانش کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں لیکن مولانا فراہیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن اپنا مفسر آپ ہے۔ براہ راست قرآن پر قرآن کی روشنی میں غور کرنا چاہیے اور جو بات بھی دین و شریعت کے مطابق نظر آئے اسے قبول کرنا چاہیئے۔ اخبار و آثار میں اس کی تلاش و جستجو ضروری نہیں چنانچہ ان کا معمول یہی تھا کہ قرآن پر براہ راست تدبر کرنے کے بعد وہ مجموعہ احادیث اور کتب تفسیر کی جانب رجوع کرتے تھے[۳۵] مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب "التکمیل فی اصول التاویل" میں تفسیر بالرای کی حقیقت اور اس کے فوائد و نقصانات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے نیز اس سلسلہ میں اپنے نقطۂ نظر کی مدلل وضاحت کی ہے[۳۶] اختصار کی غرض سے ان تفصیلات سے تعرض نہیں کیا جا رہا ہے۔

آیات محکمات و متشابہات :

محکمات و متشابہات کی تعیین و تفسیر کا شمار بھی قرآن کے دقیق ترین مباحث میں ہوتا ہے، علامہ سیوطیؒ نے محکم و متشابہ کی تعریف میں ایک درجن سے زیادہ اقوال نقل کیے ہیں پھر اس کی اس سے بھی زیادہ قسمیں بیان کی ہیں[۳۷] علوم قرآن سے متعلق زیادہ تر کتابوں کا یہی حال ہے[۳۸] گویا محکم و متشابہ کی بحث خود امر متشابہ بن گئی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور مولانا فراہیؒ نے مسئلہ زیر بحث کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس کا مناسب حل تجویز کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن تیمیہؒ کا خیال ہے کہ "محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معانی و مطالب سے ہر شخص واقف ہوتا ہے لیکن تشابہ ایک اضافی چیز ہے۔ بعض آیات کے مفہوم و مدعا سے ایک شخص ناواقف ہوتا ہے لیکن دوسرا شخص اس سے بخوبی واقف ہوتا ہے ایک ہی آیت ناواقف شخص کے لئے متشابہ ہو گئی اور واقف کار کے لئے محکم"[۳۹] اس طرح ابن تیمیہؒ کے نزدیک جملہ آیات قرآنی اپنے الفاظ و معانی کے اعتبار سے "محکمات" کا درجہ رکھتی ہیں، ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے "كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ" (ھود: ۱) (یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئیں)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ آل عمران کی آیت کہ "هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ... الآية" وہی ہے جس نے تمہارے اوپر کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسری کچھ آیتیں اس میں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ یہاں تاویل سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور یہی درحقیقت "متشابہات" کا مصداق ہیں، جیسے قیامت کے احوال، اس کی نشانیاں اور جنت و جہنم کی کیفیت وغیرہ۔ جہاں تک ان آیات کے مفہوم و مدلول سے واقفیت کا تعلق ہے تو اس کے فہم و ادراک کی ہر شخص صلاحیت رکھتا ہے۔[۴۱]

متشابہات کے سلسلہ میں ایک تصور یہ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں بعض آیات الفاظ و معانی ہر دو اعتبار سے متشابہ ہیں۔[۴۲] ان کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں۔ ابن تیمیہؒ نے اس قول کی پرزور تردید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کلام نازل فرمائے جو نبیؐ، اصحابِ نبیؐ اور جمیع امت کے فہم سے ماوراء ہو، بلکہ قرآن کریم "عربی مبین" میں نازل ہوا ہے اور اس کا یہ حکم "كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝" (سورہ ص: ۲۹) (یہ نہایت مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور صاحبِ عقل اس سے یاددہانی حاصل کریں) محکمات و متشابہات ہر طرح کی آیات کے لئے عام ہے چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور سلف صالحین ہمیشہ تمام آیات پر تدبر و تفکر کرتے اور اس کے مفہوم و مدعا کو معلوم کرتے رہے ہیں، البتہ کیفیات کی کھوج کرید سے احتراز کرتے تھے کیونکہ یہ عمل انسان کی قوت فہم سے بالاتر ہے۔[۴۳]

مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب "التکمیل فی اصول التاویل" میں اس موضوع پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔ اس کا نقطۂ نظر بعینہٖ وہی ہے جو ابن تیمیہؒ کا ہے۔ خیالات میں اس قدر یکسانیت دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ مولانا فراہیؒ نے مسئلہ زیر بحث میں ابن تیمیہؒ کے افکار سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا فراہیؒ کے موقف کی وضاحت ان کے فکر کے ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑی اچھی طرح کی ہے۔ ذیل میں انہی کے الفاظ نقل کئے جا رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آیات محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جو آفاق و انفس کی بدیہات، خیر و شر کے مسلمات اور معروف و منکر کے قطعیات و یقینیات پر مشتمل ہیں جن کو دل قبول کرتے ہیں اور جن کو قبول کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی شرط نہیں کہ دل سلیم ہو۔

متشابہات سے مراد وہ آیتیں ہیں جو ہمارے مشاہدات و معلومات کی دسترس سے باہر کی باتیں تمثیلی و تشبیہی رنگ میں قرآن نے بتائی ہیں۔ یہ باتیں جس بنیادی حقیقت سے تعلق رکھتی ہیں وہ بجائے خود واضح اور مبرہن ہوتی ہیں۔ عقل اس کے اتنے حصہ کو سمجھتی ہے جتنا سمجھنا اس کے لئے ضروری ہوتا ہے"۔[۱۴۳]

مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب میں محکمات و متشابہات کی تعیین، اس کی قسمیں، قدماء کے اختلافات کی نوعیت، اس کے اسباب، عقل کا محل استعمال اور اس کے دائرہ کار نیز موضوع کے ہر پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔[۱۴۴]

اقسام القرآن:

اقسام القرآن کا شمار بھی علوم قرآن کے اہم ترین مباحث میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے مفسرین و ماہرین علوم قرآن نے اس جانب بہت کم توجہ دی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس بارے میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر ان کی تحریر صرف چند صفحات پر مشتمل ہے لیکن ان کے لائق شاگرد حافظ ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) نے انہی افادات کی روشنی میں "التبیان فی اقسام القرآن" جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، یہ موضوع مولانا فراہیؒ کی توجہ کا خصوصی مرکز رہا ہے، انہوں نے "امعان فی اقسام القرآن" کے نام سے ایک جامع و وقیع کتاب لکھی جس میں مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس موقع پر علامہ ابن تیمیہؒ اور مولانا فراہیؒ کے خیالات کا تجزیہ بھی افادیت سے خالی نہ ہوگا۔

"قسموں کے بارے میں عام طور سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ مقسم بہ کا درجہ مقسم سے بڑھ کر ہوتا ہے اور ہونا چاہئے اور مقسم علیہ ایسے امور سے ہونا چاہئے جنہیں تسلیم کرنے کے لئے قسم مفید و مؤثر ثابت ہو سکے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں وارد قسموں کے بارے میں متعدد اعتراضات و شبہات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کئے جاتے ہیں"۔[۵۴]

۱۔ قسم فی نفسہ خدائے بزرگ و برتر کی شان و عظمت کے خلاف ہے۔ اپنی بات پر قسم وہ کھاتا ہے جو اپنی ذات کو حقیر سمجھتا ہو، خود قرآن نے زیادہ قسم کھانے والوں کی مذمت کی ہے۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (قلم: ۱۰) (اور تم ہر جھوٹی قسم کھانے والے اور ذلیل کی بات نہ سنو)۔

۲۔ قسم بالعموم ایسی چیزوں کی کھائی جاتی ہے جن میں عظمت و علو شان کا کوئی پہلو یا اس سے گہری عقیدت و شیفتگی ہو۔ لیکن قرآن میں جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں ان میں نہ عظمت و تقدس کا کوئی پہلو ہے اور نہ محبت و شیفتگی کا۔

۳۔ قرآن مجید میں جن امور پر قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اسلام کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت و آخرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جن میں محض قسم ناکافی ہے، کیونکہ مخالف دلیل و حجت کا طالب ہوتا ہے اور قسم کوئی دلیل نہیں اور موافق ان حقائق پر پہلے سے ایمان رکھتا ہے۔ اسے قسم کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان اشکالات و اعتراضات کو علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور مولانا فراہیؒ کے علاوہ امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) نے بھی رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن سطور ذیل میں صرف علامہ ابن تیمیہؒ اور مولانا فراہیؒ کے خیالات سے بحث کی جارہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صراحت کے ساتھ صرف دوسرے اعتراض ہی سے تعرض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کی بعض چیزوں پر قسمیں کھائی ہیں، اس کی یہ قسمیں اپنی ذات کی ہیں جو خاص صفات سے متصف ہے یا اُن نشانیوں کی جو اس کی ذات و صفات کو مستلزم ہیں اور جو کہیں کہیں بعض مخلوقات کی قسم کھائی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں"۔[۵۵] اس جواب سے ابن تیمیہؒ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مقسم بہ میں تعظیم و تقدیس کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی عظیم آیات بہر حال لائق تعظیم و احترام ہیں۔

دوسرا اصول جس پر ابن تیمیہؒ نے اعتماد کیا ہے یہ ہے کہ مقسم علیہ کچھ معلوم و متعین امور ہوا کرتے ہیں اور قسمیں بالعموم مقسم علیہ پر بطور دلیل و حجت کھائی جاتی ہیں یعنی توحید، رسالت اور آخرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغیرہ۔ اس اصول کی انھوں نے کہیں صراحت نہیں کی ہے لیکن متعلقہ آیات پر جس طرح بحث کی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں ہے۔ انہوں نے سورہ صافات، سورہ ذاریات اور سورۂ مرسلات کا ذکر کیا ہے[47] اور بالترتیب توحید و آخرت کو مقسم علیہ قرار دیا ہے[48] نیز یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہاں قسمیں ان امور کے برحق ہونے پر کھائی گئی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے پہلے اشکال سے مطلق تعرض نہیں کیا ہے۔ دوسرے اعتراض کے جواب میں جو بات کہی ہے وہ بھی تشفی بخش نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ اصل اعتراض 'مخلوقات کی خالق کے لئے عظمتِ شان' پر تھا جو علی حالہ باقی ہے، عزت و شرف بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے نوازے۔ لیکن کیا مخلوقات کو اتنا بلند مقام بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ خود خالق ان کی عظمت و تقدس کی قسم کھائے؟

پہلے اشکال کو مولانا فراہیؒ نے اس طرح رفع کیا ہے کہ قسم انسانی معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ مخاطب کو مطمئن کرنے کے لئے اہم قومی و اجتماعی امور پر عہد و پیمان کی تاکید و توثیق کے لئے نیز اس طرح کے دیگر مسائل میں قسم سے زیادہ موثر کوئی آلہ نہیں[49]۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں اہم مواقع پر قسم کا بکثرت استعمال پایا جاتا ہے[50]۔ قرآن و سنت میں قسم کھانے کی ممانعت یا مذمت کا ایک خاص پس منظر ہے اور یہ ممانعت بھی صرف چند چیزوں کی ہے[51]۔

دوسرے اعتراض کا مولانا فراہیؒ کے نزدیک جواب یہ ہے کہ "قسم کیلئے مقسم بہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اس کی تعظیم و احترام کا پہلو تو الگ رہا[52]۔ قرآن مجید میں مخلوقات کی تمام تر قسمیں استدلال و استشہاد کی غرض سے کھائی گئی ہیں۔ نہ وہ صفات الٰہی کی قسمیں ہیں اور نہ ان کا تعظیمی اقسام سے کوئی تعلق ہے[53]۔ قسم میں تعظیم صرف اس صورت میں پیش نظر ہوتی ہے جبکہ اللہ اور شعائر اللہ کی قسم کھائی جائے بلکہ بعض اوقات اس صورت میں بھی صرف استدلال مقصود ہوتا ہے[54]۔

تیسرے اعتراض کے بارے میں مولانا فراہیؒ کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں قسم کا اصل مقصد استدلال و استشہاد ہے[55] نہ کہ محض تاکید و توثیق۔ اس کے علاوہ اسلوب قسم کے اندر محاسن بلاغت کے گوناگوں پہلو موجود ہیں یعنی اس اسلوب سے قول کی پختگی اور تاکید کا اظہار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصود ہوتا ہے[56]۔ اسلوب قسم بالعموم انشاء کی صورت میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے مخاطب کو اس میں انکار و تردید کا کوئی پہلو نہیں ملتا[57]۔ اسلوب قسم میں ایجاز ہوتا ہے۔ جب الفاظ کم ہوں تو مفہوم حجابات سے مجرد ہو کر بسہولت گرفت میں آجاتا ہے[58]۔ اسلوب قسم میں دلیل اپنی معروف صورت میں آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے جس کی وجہ سے منکر کو مناظرہ کی راہ نہیں ملتی[59]۔ اسلوب قسم کا شمار جوامع الکلم میں ہوتا ہے جو بظاہر ایک معمولی فقرہ ہوتا ہے لیکن اپنے اندر معانی کا دفتر سموئے ہوتا ہے[60]۔ اس لئے قرآن مجید میں قسموں کا استعمال موافق و مخالف اور مومن و کافر دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب میں مذکورہ بالا شکوک و شبہات کے ازالہ کے علاوہ قسم کی تاریخ قدیم و جدید زمانے میں اس کی ضرورت و اہمیت، اس کے مختلف انواع و اقسام، موضوع سے عمومی بے اعتنائی کے اسباب، اسلوب قسم کی بلاغتیں، قسم کی ممانعت و مذمت کے اسباب و وجوہ[61] غرض موضوع کی ہر شق پر مدلل و مفصل بحث کی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کتاب اہمیت و افادیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابن عبد الہادی، العقود الدریۃ، بیروت، (بدون تاریخ) ص ۲۷-۲۸

۲۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مطابع الریاض، الریاض ۱۳۸۱ھ ۱۳/۳۶۳-۳۷۵

۳۔ ایضاً ۱۳/۳۶۳-۳۶۴، تفصیل کے لئے دیکھئے ان کی تفسیر دقائق التفسیر، بیروت

۴۔ ایضاً ۱۳/۳۳۱-۳۳۲

۵۔ ایضاً ۱۳/۳۶۴-۳۶۸

۶۔ ایضاً ۱۳/۳۶۱

۷۔ ایضاً ۱۳/۳۶۱

۸۔ ایضاً ۱۳/۳۶۸-۳۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹؎ امام حمید الدین فراہیؒ، مقدمہ تفسیر نظام القرآن (مترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، طبع اول (بدون تاریخ) ص۳

۱۰؎ ایضاً ص۲۷-۳۲

۱۱؎ ظنی الدلالۃ: یہ اصول حدیث کی ایک مشہور اصطلاح ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں احادیث کو ظنی الدلالۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی صداقت و ثقاہت کا وہ پایہ نہیں ہے جو قرآن کا ہے۔ تاہم علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ تمام احادیث جو روایت و درایت کے معیار پر پوری اتریں وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں اور ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مولانا فراہیؒ نے احادیث، صحف سماوی اور تاریخ سب کو ایک صف میں رکھا ہے۔ جبکہ تینوں کے درمیان فرق مراتب ناگزیر ہے۔

۱۲؎ مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص۲۸

۱۳؎ آیت وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ سورہ نحل: ۴۴ کی طرف اشارہ ہے

۱۴؎ امام فراہیؒ۔ التکمیل فی اصول التاویل، دائرہ حمیدیہ، سرائمیر، ۱۳۸۸ھ ص۶۸-۶۹

۱۵؎ ایضاً ص۶۵-۶۶

۱۶؎ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفہ، بیروت ۱۹۸۶ء، ۲۲۹/۳-۲۳۰ و ابو القاسم جار اللہ زمخشری، الکشاف، دار المعرفہ، بیروت (بدون تاریخ) ۱۹/۳۔ ابن جریر الطبری، تفسیر طبری، المطبعۃ المیمنۃ مصر (بدون تاریخ) ۱۱۹/۱۷-۱۲۲۔ آلوسی: روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المنیرۃ دمشق (بدون تاریخ) ص۱۵۶-۱۶۸۔ قاضی بیضاوی، التفسیر البیضاوی۔ کتبخانہ مجتبائیہ، دیوبند (بدون تاریخ) ۵۵/۳

۱۷؎ امام رازی، التفسیر الکبیر ۵۵/۱۳-۵۹۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۶ء، ۲۳۸/۳-۲۴۵۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فائونڈیشن، لاہور، ۱۹۸۳ء ۲۶۸/۵-۲۷۱۔

۱۸؎ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص۹

۱۹؎ ایضاً ص۵، نظم قرآن پر مولانا فراہیؒ نے "دلائل النظام" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیل کے طالب اس کی جانب رجوع کریں۔ دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، اعظم گڑھ

۲۰۔ التکمیل فی اصول التاویل ص ۶۲

۲۱۔ ایضاً ص ۵۳-۵۷

۲۲۔ ایضاً ص ۵۷-۶۴

۲۳۔ ایضاً ص ۶۵-۶۸

۲۴۔ دکتور محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیثہ، سنہ ۱۹۷۶ء، ۱/ ۱۶۹-۱۷۰

۲۵۔ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ۱۳/ ۳۶۶ و مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص ۲۷-۳۲

۲۶۔ امام بخاری، صحیح البخاری، کتاب التفسیر

۲۷۔ مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ ۱۳/ ۳۷۵

۲۸۔ امام ولی اللہ دہلویؒ، الفوز الکبیر (ترجمہ: سلمان الحسینی ندوی) کلیۃ الشریعۃ، ندوۃ العلماء لکھنؤ
سنہ ۱۹۸۴ء، ص ۴۲

۲۹۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص ۲۹

۳۰۔ امام راغب اصفہانی، مقدمۃ التفسیر، مطبعہ جمالیۃ مصر سنہ ۱۳۲۹ء ص ۴۲۳، یہ رسالہ قاضی عبد الجبار
کی کتاب تنزیہ القرآن عن المطاعن کے آخر میں شامل ہے۔

۳۱۔ امام ترمذی، جامع الترمذی، کتاب التفسیر باب ما جاء فی فضل القرآن

۳۲۔ پروفیسر ابو زہرہ، ابن تیمیہ حیاتہ وعصرہ، آراءہ وفقہہ، دار الفکر العربی، ص ۴۵۹

۳۳۔ یہ عبارت مقدمہ اصول تفسیر لابن تیمیہؒ کے ترجمہ سے ماخوذ ہے۔ دیکھئے: ابن تیمیہؒ، اصول تفسیر
(ترجمہ عبد الرزاق ملیح آبادی) المکتبۃ السلفیہ، لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۱۱

۳۴۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص ۴۵-۴۶

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ التکمیل فی اصول التاویل ص ۵-۱۲

۳۷۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، مصطفی حلبی و شرکائہ، قاہرہ، طبع چہارم سنہ ۱۹۷۸ء، ۲/ ۳-۱۸

۳۸۔ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن/ تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، دار احیاء الکتب العربیہ، طبع اول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۵۷ء ۱/۱۱۱-۱۵۳ ؛ الشیخ محمد عبد العظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ (بدون تاریخ) ۲/۱۶۶-۱۸۹۔ دکتور صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن مطبعہ جامعہ دمشق، ۱۹۶۲ء، ص۲۸۱-۲۸۳؛ دکتور مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص۲۱۳-۲۲۱۔ دکتور عدنان محمد زرزور، علوم القرآن المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ثانی ۱۹۸۲ء، ص۱۳۲-۱۸۰۔

۳۹ھ مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ ۱۳/۱۴۴

۴۰ھ ایضاً ۱۳/۲۷۵

۴۱ھ الاتقان فی علوم القرآن ۲/۶-۷

۴۲ھ فتاوی ابن تیمیہؒ ۱۳/۲۷۸-۲۷۹

۴۳ھ تدبر قرآن ۲/۲۵

۴۴ھ التکمیل فی اصول التاویل ص۲۳-۳۱

۴۵ھ عبد المجید ندوی، اقسام القرآن۔ صحیح نقطۂ نظر، ماہنامہ الرشاد، اگست و ستمبر ۱۹۸۶ء ۱۳/۶۱، ص۶۲۔

۴۶ھ فتاوی ابن تیمیہؒ ۱۳/۳۱۴

۴۷ھ ایضاً ۱۳/۳۱۸-۳۱۹

۴۸ھ ایضاً ۱۳/۳۱۹-۳۲۰

۴۹ھ مولانا فراہیؒ، اقسام القرآن (اردو ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ، سرائمیر، طبع دوم (بدون تاریخ) ص۲۶-۳۸

۵۰ھ ایضاً ص۷۵ ۵۱ھ ایضاً ص۱۱۷-۱۲۲ ۵۲ھ ایضاً ص۲۳

۵۳ھ ایضاً ص۲۳ ۵۴ھ ایضاً ص۸۳ ۵۵ھ ایضاً ص۲۴ و ص۸۳

۵۶ھ ایضاً ص۱۰۰ ۵۷ھ ایضاً ص۱۰۲ ۵۸ھ ایضاً ص۱۰۵

۵۹ھ ایضاً ص۱۱۱ ۶۰ھ ایضاً ص۱۱۴-۱۱۵

© rasailojaraid.com